eISSN:2073-3674
pISSN:1991-7813

نو تاریخیت کا تصور اور اردو ناقدین کی رائے

The Concept of Neo-History and the Opinion of Urdu Critics

محمد اکبر علی، اسکالر پی۔ایچ۔ڈی، اردو، بہاالدین زکریا یونیورسٹی ملتان
Muhammad Akbar Ali Email: akbaraliuaf786@gmail.com
Scholar Ph.D, Dept of Urdu, B.Z.U Multan
ڈاکٹر عقیلہ بشیر، شعبہ اردو، بہاالدین زکریا یونیورسٹی ملتان
Dr. Aqeela Basheer Email: aqeelajaved@bzu.edu.pk
Professor, Dept of Urdu, B.Z.U Multan

Received: 15-2-2022 **Accepted:** 5-5-2022 **Online:** 28-6-2022

Abstract:

New Historicsm is a school of literary theory, It was created by American critic stephen greenblate It was present in 1950,as a name of "Cultural poetics" but this theory was developed in 1980,New historicsm represents the literature in the cultural content and also we can examine the work which is affected by writer's time.Michel Foucault aims at interpreting a literary text as an expression of or reaction to the power structures of the surrounding society.He also tells us how has the event been interpreted? There are some hidden corners which are presented by New Historicism colonization facts, Feminism Theory and power role in society decisions. This all concerns with the social knowledge of society but in literature it investigates the life of auther, the social rules found within a text and reflection of a work's historical situation in the text. Such type of picture is present in the work of Dr Iqbal Afaqi, Nasir Abbas Nayyar and Prof Atteq ullah etc.

Key Word: New Historicism, Stephen Greenblate, Literature, Text, Feminism, Power structures

کلیدی الفاظ: نو تاریخیت، سٹیفن گرین بلاٹ، ادبی متن، تانیثیت، طاقتی ڈھانچے

"نو تاریخیت" کے مرکزی کردار میں سٹیفن گرین بلاٹ کا تذکرہ اہم ہے اس تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۹۸۰ کی دہائی میں نظر آتا ہے ادب کا مطالعہ تاریخی اور سماجی حوالے سے کرنے کا کام اس میں شامل ہے ۔نو تاریخیت کو ترویج دینے میں گرین بلاٹ کا رسالہ Representation کلیدی کردار ادا کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ کس قدر اس منظر کی اثر پذیری کو محسوس کیا جا سکتا ہے کہ جس میں کوئی لکھاری اس تحریر کی تخلیق کو عملی جامہ پہنا رہا ہوتا ہے یوں ابتدائی کلچر اس تحریک کا تنقیدی میدان ظاہر ہوتا ہے ۔ تاریخ کسی جامد سچ اور حقیقت کا روپ دھارے ہوئے نہ ہے اس بات کی دلیل کے لیے "نو تاریخیت" ایک نئے سرے سے متن کو اس دور کی ثقافتی اور سیاسی حدبندیوں میں دکھانے کی کوشش کرنا ہے گویا یہ ساختی طریقہ کار کو جس میں کسی بھی تخلیق کو ایک معروض قرار دے کر ثقافتی حوالے سے اس کی قطع تعلقی کو موضوع بنایا جاتا ہے اسے نو تاریخیت مسترد کرتی ہوئی نظر آئی ہے۔ مشل فوکو کے حوالے سے ڈاکٹر اقبال آفاقی لکھتے ہیں کہ "تاریخ بذات خود متن کی پابند ہے اور یہ پہلے سے موجود تاریخی تنقید کا Mimetic ماڈل ہے جو متن کو صرف ارد گرد کی تاریخ کا انعکاس سمجھتی ہے۔"(۱) اس طرح متون تاریخیت کی حد بندی میں اور تاریخ متنیت کے دائرہ کار میں واضح دکھائی دیتی ہے یوں نو تاریخیت کو فوکو کے ہاں جب دیکھا جاتا ہے تو اس میں سماج کے اندر طاقت کے مکالمہ کو اہمیت ملتی ہے کیونکہ جب کسی عہد کے حوالے سے غالب نظریات کو جگہ ملتی ہے تو طاقت ایک خاص ڈسکورس کے ذریعے اس وقت سماجی تناظر میں دکھائی دیتی ہے یوں فوکو کے ہاں سماج کی حقیقت یا سچ کا تعلق ایک خاص سماجی تناظر میں بدلتا رہا ہے اس حوالے سے فوکو کی شہرہ آفاق کتاب Archeology of Knowledge اس دعویٰ کی عملی دلیل ہے کہ جس میں کسی بھی عہد کی تاریخ کا تجزیہ اس عہد کے دائرہ کار میں رہ کر ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ وہ نظریات ایک خاص تناظر میں پیش کردہ ہوتے ہیں اس وقت کے غالب تصورات کس طرح من چاہی صورتحال کو ایک عہد کے دائرے میں سچ کے طور پر دکھا رہے ہوتے ہیں اس حوالے سے نشاۃ ثانیہ کی تاریخ کو موجودہ زمانے کے تناظر سے دیکھنا اور جائزہ لینا ایک نامکمل تجزیہ کا اظہار ہے اس طرح ہر عہد ایک خاص عصری تفکر کے ساتھ رونما ہوتا ہے جس میں ایک غالب آئیڈیالوجی اپنے اس دور کے عقائد اور رسوم ورواج کو ایک حقیقت کے روپ میں بیان کرتی ہوئی نظر آئی ہے۔

"فوکو ایک عہد کے اندر موجود دو معاشروں کے تقابلی جائزے کا بھی مخالف ہے اوران معروضی معیارات کو بھی شدت سے رد کرتا ہے جو ایک معاشرے کو دوسرے معاشرے سے برتر ثابت کرنے کے لیے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔"(۲)

اس طرح فوکو علم کی تمام صورتوں کو تاریخ کے خاص سیاق وسباق تک محدود کرتا ہے اور علم کے حوالے سے کسی یکسری یا حتمی نظریہ کی حمایت سے انکاری دکھائی دیتا ہے کیونکہ فوکو کے نزدیک ایک سماج کے اندر اگر کسی دعویٰ کی حتمی شکل کو متعارف کروایا جارہا ہو تو ایک طرف یہ آنے والے دور میں کسی تجزیہ کو بطور چیلنج قبول کرنے سے انکاری صورت کے طور پر موجود ہوتی ہیں تو دوسری طرف یہ طاقت کی سیاست کے ایجاد کردہ ایسے الفاظ میں جنہیں ہمیشہ حق اور سچ کی زبان دیکر مقتدر طبقہ اپنے من چاہے مقاصد کی راہیں ہموار کرنے کے لیے استعمال کرتا رہا ہے۔ فوکو نے اپنی کتابوں میں جس طرح مذہب، جنسیت، پاگل پن، اور طب کے حوالوں سے تجزیہ کو شامل کیا ہے اس میں کسی عہد کی جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے اس طرح ایک خاص تناظر میں اس تجزیہ کو کس طرح مدلل صورت عطا کی جاسکتی ہے اس کا عملی نمونہ فوکو کی تحریروں میں ملتا ہے علاوہ ازیں ایسے ادارے جنہیں تاریخی تناظر میں تو سماجی فلاح کے مرکز کے طور پر دکھایا گیا ہے اور اس کے پس پردہ کس طرح ایک خاص مقتدر طبقہ کے عزائم پوشیدہ تھے ان کا جائزہ صرف اس عہد کے تناظر میں ہی ممکن تھا جسے فوکو نے پیش کیا ہے اور یوں ان کی واضح منظر کشی کی ہے کیونکہ اس تناظر اور سیاق وسباق کی سیڑھی سے ہم اس گہرائی میں اتر کر ان گمشدہ تصورات کو پالیتے ہیں جو کسی طور پر دبا دیئے گئے تھے اور ان اصولوں کو سمجھ سکتے ہیں جو اس مقصد میں بطور علم متعارف کرواکر استعمال کیے گئے اوراس طرح ایک مقتدر معاشرتی طبقہ نے جنہیں جبری حوالے سے خاموش کروادیا تھا اس طرح اقبال آفاقی کے نزدیک ایک طرف حقائق کی کھوج لگانا اس کی اصل منظر کشی کرنا ہے تو دوسری طرف اس آزادانہ تجزیے سے تو تاریخیت کی بدولت ایک ایسے راستے کی فراہی بھی ہے کہ جنہیں علم کو ناجائز عائد شدہ پابندیوں سے دور رکھنے کے لیے کئی اصول متعارف کروائے جاسکتے ہیں اس طرح سماج میں عائد کردہ اصولوں سے باہر جھانکنے کا کام اس تحریک کے سبب عطا ہوا جس میں کوئی بھی اس واقعہ کو دوبارہ نئے تجزیے اور اصل حقائق کے ساتھ بیان کرسکتا ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی نو تاریخیت کے حوالے سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امریکہ میں اسٹیفن گرین بلاٹ کی تحریریں اور برطانیہ میں ریمنڈ ولیمز کی تحریریں ایک ابتدائی صورتحال کو اس حوالہ سے متشکل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اگرچہ نو تاریخیت کے متبادل برطانیہ میں "ثقافتی مطالعات" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے لیکن یہ بات حقیقت ہے کہ فوکو جیسے مفکرین کی فکر نے نو تاریخیت جیسے رجحان کو جلا بخشی، ادبی متن اور اس عہد کے ثقافتی مظاہر کے تعلق کو کس قدر خاص اہمیت حاصل ہے علاوہ ازیں ادبی متن کی خود کفالت اور خود مختاری ایک سوالیہ نشان کے طور پر موجود ہیں ان تمام سوالات کے جوابات کو اسٹیفن گرین بلاٹ کی کتاب Renaissance self-fashioning(۱۹۸۰) کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے یوں تاریخ اور ادبی متن کے رشتے پر از سر نو غور کرنے کے لیے گرین بلاٹ کے رسالے نے ۱۹۸۲ میں خاصا کردار ادا کیا اور اس رشتے کی لاتعلقی اور جڑت دونوں متضاد پہلوؤں کے بارے میں ایک بحث نے جنم لیا۔ اس طرح گرین بلاٹ اور اس کے حامیوں نے اس بات کی تائید جاری رکھی کہ کسی بھی عہد میں متعین کردہ ادب اور ثقافت ایک دوسرے پر بغیر اثرات کے جاری نہیں رہ پاتے۔ نئی تاریخیت کے حوالے سے جب اس بحث نے جنم لیا کہ اس میں ایک طرف تو مبالغہ آمیز توقعات اور نظری مباحث کے جگہ لینی شروع کر دی ہے تو کسی بھی طرح سے اسے ایک تھیوری کی وضع کردہ صورت میں لانا ضروری ہو گیا ہے لیکن گرین بلاٹ نے واضح کیا کہ نو تاریخیت کی بنیادیں تھیوری کے حوالے سے نہ موجود تھیں اور اسے تھیوری کی صورت میں ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے ان کی کاوش کو ۱۹۸۷ء کے ان کے ایک مضمون Towards a poetics of culture میں دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ تھیوری میں کسی بھی نظریے کی حد بندی کے اندر اسے دیکھنا ایک لازمی امر ہوتا ہے جبکہ تھیوری سے باہر ہر زاویہ نگاہ اور تفہیم کے طور پر اسے واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ یوں ہم کسی بھی متن کے حوالے سے اس رائے کا اقرار کر سکتے ہیں اس زمانے کے رسوم و رواج سے لیکر اعتقادات تک کی مکمل صورتحال کو ادبی ستون کی آغوش میں سمجھا اور دیکھا جا سکتا ہے علاوہ ازیں وہ اعتقادات کس طرح بنتے اور متاثر ہوتے ہیں سماج میں ان کی تقویت اور سرایت پذیری کن طریقوں کی محتاج ہوتی ہے ان سب کو کسی بھی عہد کے متن کے احاطہ مطالعہ میں محسوس کیا جا سکتا ہے ان حوالوں سے کہ جس میں ثقافتی حدود میں ادبی پہچان کو جوڑ کر پیش کیا جاتا ہے گوپی چند نارنگ کے اس دعویٰ کو مزید تقویت دیتی ہے کہ

"شکسپیئر برطانوی کلچر کی، کالی داس قدیم ہندوستانی کلچر کی دانتے اطالوی کلچر کی، گوئٹے جرمن کلچر کی، حافظ ایرانی اور غالب مغل کلچر کی پہچان کیوں مانے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا ذہن وشعور یا ان کی "تخلیقیت" ان کے اپنے کلچر کی زائیدہ پروردہ ہے۔"(۳)

یوں نئی تاریخیت کے اندر رہ کر اس بات کو ایک خاص صورتحال میں سمجھا اور دیکھا جاسکتا ہے کہ کلچر کوئی کلیت پسندانہ وحدانی نظام کے زیر اثر نہیں کیونکہ جس سماج میں مختلف رویوں اور تصورات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس میں وہ خود بخود کسی بھی ادبی متن کے اندر جاذبیت کا عنصر رکھتے ہیں یوں ایک طرف تاریخ کو کسی فکسڈ اصول اور خاص تناظر میں معروضی حوالوں سے دیکھا جارہا تھا تو دوسری طرف نو تاریخیت نے تصویر کے دوسرے رخ پر کلچر کے آثار کو فوکو کی زبانی "آرکیالوجی" طریقہ مطالعہ سے سمجھنے کے قابل بناتی ہے اور کس طرح ایک خاص عہد کے اندر ڈسکورسز کی بنت سے کسی عصری تفکر (Episteme) کے حوالے سے ان مظاہر کی اصل صورت کو دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے کہ جن کے اندر ایک ادبی فن پارہ تشکیل پارہا ہوتا ہے کیونکہ اس عہد کا "عصری تفکر" ہر لحاظ سے اس پر اپنے اثرات کو قائم رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ یوں نو تاریخیت نے نہ صرف کسی متن کی خود کفالت اور آزادانہ رائے کو چیلنج کیا ہے جبکہ مصنف کی خود مختارانہ رائے کو بھی تحلیل کر دیا ہے اور وہ قدیم تصور جس میں کسی مصنف کو اس کے پیش کردہ متن کے حوالے سے ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی وہ کلچر کے لبادہ میں واضح صورت میں نو تاریخیت نے متعارف کروایا۔

سیاسی اور سماجی طاقت ایک خاس ڈسکورس کی دین ہوتی ہے کیونکہ سماج میں کس طرح ایک آئیڈیالوجی کی معرفت مقتدر طبقہ غلبہ کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے سماجی اداروں کا سہارا لیتا ہے اور اس طرح ایک خود ساختہ نظام کو متعارف کروایا جاتا ہے کہ جس میں طاقت کے ڈسکورس یہ طے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تہذیب، شرافت، جرم، عقلمندی اور انصاف کسے کہا جائے گا یوں فوکو اور آلتھیوسے کی فکر نے ایک طرف متعارف کردہ آئیڈیالوجی اور دوسری طرف نو تاریخیت کے آئینے میں اس کے پس پردہ عزائم کو واضح کیا ہے یوں تاریخ نے جس حقیقت کو چھپایا ہوا تھا اس کے حوالے سے نو تاریخیت نے واضح کر دیا کہ سماج میں کسے سچائی کا صداقت نامہ دیا جائے گا اس کا تعین

متعارف کردہ ڈسکورسز کی بدولت ہی ممکن ہوتا آیا ہے۔ اس نو تاریخیت کے تصور پر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا یہ جائزہ قابل غور ہے کہ:

" غرضیکہ نئی تاریخیت کسی بندھے ٹکے رویے کا نام نہیں ہے بلکہ تاریخ ثقافت اورادب کے پیچیدہ اور گہرے رشتوں کو سمجھنے سمجھانے کے ان طور طریقوں کے مجموعے کا نام ہے جن میں یہ نکتہ تسلیم شدہ ہے کہ ادب تاریخ اور کلچر میں اور تاریخ اور کلچر ادب میں سانس لیتے ہیں اور یہ رشتے جتنے ظاہر ہیں اس سے کہیں زیادہ مضمر، مستور اور تہہ در تہہ ہیں، نئی تاریخیت کا ایک کام ادب اور تاریخ کلچر کے رشتوں میں طاقت کے اس کھیل پر نگاہ رکھنا بھی ہے جو موضوعیت کو قائم کرتا ہے اور رائج ثقافتی رویوں کو معنی دیتا اور انہیں قابل قبول بناتا ہے نیز ان دراڑوں اور خالی جگہوں پر بھی نظر رکھتا ہے جو موضوعیت میں شگاف ڈالتی ہیں اور شعر وادب ہوں یا تاریخ ،ثقافت، یہ درزیں اور خالی جگہیں تاریخ کے عمل میں نئی آوازوں اور تغیر و تبدیل کی گنجائش پیدا کرتی ہیں۔ نتیجتاً جن سے طاقت کے منطقے بدلتے رہتے ہیں اور ارتقاء کا کھیل جاری رہتا ہے۔"(۴)

"نو تاریخیت" نے جن تاریک کونوں کو روشنی عطا کی اس سے کئی فکری زاویے جنم لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اوران میں قابل ذکر عورتوں کے حقوق کی تحریک اورمابعد نو آبادیاتی صورتحال کو ایک حوصلہ افزاء آواز میسر آئی کیونکہ پہلے سے متعین شدہ متون نے ہر اس سماج پر سوالیہ نشان کے طور پر اعتراضات اٹھائے کہ جہاں ایک طرف عورت کے حقوق کی پامالی مرد غالب معاشرے کے خود ساختہ قوانین سے جاری تھی تو دوسری طرف کسی بھی ملک پر قبضہ کے جواز کو اس علاقے کی ترقی اور خوشحالی سے جوڑ دیا گیا ہو یوں ان دونوں نظام میں ایک استحصالی صورتحال کی عکاسی اس معاشرے میں موجود کسی ایک طبقہ کی طرف سے نظر آتی ہے جو بظاہر خوشحالی کے نعروں کی چھتری میں کسی سائے کے دعویدار کے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے اصل چہروں سے کئی مفکرین نے پردہ اٹھایا ہے اور یہ "نو تاریخیت" کے اس مطالعے کی وجہ سے ممکن ہو پایا کہ جس میں تیسری دنیا کے ملکوں کے سماج میں تاریخ کو ایک حتمی صورت حاصل ہو چکی تھی مگر اس صورت کو چیلنج کرنے والوں اور حقائق سامنے لانے والوں میں فوکو کے شاگرد ایڈورڈ سعید کا نام قابل ذکر ہے

علاوہ ازیں اس "نو تاریخیت " کے تصور کی ترویج اور عملی شکل دینے والوں میں گائتری چکروتی سپیواک، اقبال احمد خان، ہومی کے بھابھا اوراشیش آنندی قابل ذکر ہیں کیونکہ انہوں نے مغرب کے اس فکری نظام کی واضح صورت کو پیش کیا ہے کہ جس میں طاقت کے کھیل کی بدولت غلبہ کی خواہش کئی ممکنات کے جواز کو سماج میں لانے کے لیے ایک آلہ کار ثابت ہوئی۔ اس طرح تاریخ کی پرتوں میں چھپے حقائق کو طاقت کے اثرات سے بے نقاب کرنے کا کام ان مفکرین کے ہاں ملتا ہے یوں ادب اور ثقافت کے رشتے میں اس تقسیم کی ایک نئی صورتحال سامنے آتی ہے۔ "ادب میں اوریجنلیٹی" کے تصور کی نظریاتی بنیادیں خاصی کمزور ہیں کیونکہ شاعر کا ذہن و شعور مطلقاً آزاد نہیں ،یعنی اس کی موضوعیت مطلق ہے ہی نہیں بلکہ ثقافت اور تاریخ کی متعین کردہ ہے جو چیز تاریخ اور ثقافت میں گندھی ہوئی ہے وہ آزاد محض کیسے ہو سکتی ہے اس بحث سے جڑی ہوئی بحث ادب کی (Extrinsic) خارجی اور (Intrinsic) داخلی اقدار کی بحث ہے۔"(۵)

ایک طرف نو تاریخیت نے کسی بھی فن پارے کی تفہیم کو درست معنوں میں واضح کیا تو دوسری طرف اس پر سماج کے ہر پہلو کی اثر اندازی کو یقینی بنایا یوں وہ روایتی طریق فکر جو اس فن سے وابستہ تھی اسے نئے سرے سے ایک ترتیب ملی اور اس کے عملی طریقوں سے گرین بلاٹ کی کتاب Self Fashioning :from More to Renaissance Shakespeare کرتی ہوئی نظر آتی ہے کیونکہ بلاٹ کے خیال میں مرضی، صنف کی برتری، نیکی اور برائی کا تصور ایک طرح سے سماجی آئیڈیالوجی کے مطابق ہوتے ہیں اوراس طرح متون کی تفہیم سے تشکیل نو نئی صورتحال میں دیکھا جا سکتا ہے۔

> "نو تاریخ داں، دریدا کے اس تصور کو تسلیم کرتے ہیں کہ فن ہی سب کچھ ہے ، فن کے باہر کچھ نہیں ہے ۔ ہمیں ماضی کے بارے میں جو بھی مواد دستیاب ہوتا ہے وہ متنی شکل میں ہوتا ہے گویا فن ہی ماضی سے رشتہ قائم کرنے والا ایک ذریعہ ہے۔"(۶)

'نو تاریخیت' کے تصور کو گرین بلاٹ سے قبل ۱۹۷۱ئ میں جے ڈبلیو لیور کی کتاب The Tragedy of state A Study of Jacobean Drama میں دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں اس دور کے خاص عہد کے حوالے سے سیاسی واقعات کو سماج پر اثر انداز ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے گویا اس تصور سے نہ صرف ادب پر کسی عہد کے سماجی اثرات کی جھلک دکھائی دیتی ہے بلکہ اس

دور کے وقوع پذیر ہونے والے واقعات میں بھی ان کا غیر معمولی کردار دکھائی دیتا ہے۔ لوئی مونٹروس نے نو تاریخیت کے حوالے سے جو بیان دیا ہے اسے پروفیسر عتیق اللہ یوں قلمبند کرتے ہیں۔

"نو تاریخیت متن کی تاریخیت(Historicity) اورمتنیت کی تاریخ پر مرکوز ہوتی ہے۔"(۷)

گویا اس کے اثرات کو ادبی اور غیر ادبی متون دونوں کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کا کام کسی ادبی یا غیر ادبی متون کے تقابلی جائزے سے نہ ہے اور نہ ہی کسی کی برتری ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے بلکہ اس کے ظہور پذیر ہونے کے پس پردہ لاشعور میں کونسے اثرات بطور اسباب مدد گار ثابت ہو رہے ہوتے ہیں ان کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ اس طرح ماضی کے وہ تمام واقعات جو تاریخی طور پر گذر چکے ہوتے ہیں ان رجحانات اور واقعات کی اثر پذیری کو ان میں محسوس کیا جا سکتا ہے کہ کس سماجی سیاق وسباق کے نتیجہ میں یہ تخلیق سامنے آئی ہو گی۔

گرین بلاٹ کی تحریروں میں نشاۃ الثانیہ کے ڈراموں کا مطالعہ شامل ہے اور اس عہد کی خوفناک صورتحال جس کا تعلق نو آبادیاتی پالیسی کے حوالے سے تھا اور اس طاقت کا مطالعہ جو یورپی طاقتوں نے اپنے من چاہے فیصلوں کی تکمیل کے لیے متعارف کروائی تھی تمام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یوں "نو تاریخیت" کے آئینے میں نشاۃ الثانیہ کی وہ تصویر صاف اور واضح نظر آئی کہ جس میں نو آبادیاتی نتائج، جسمانی و جنسی تشدد اور جرائم کی خود ساختہ تعریف جیسے واقعات پر تاریخی سچائی کی مہر ثبت کر کے جواز کی مقدس چادر میں انہیں قانونی حیثیت حاصل تھی لیکن اِن گھناؤنے حقائق سے پردہ اٹھانے کا کام نو تاریخیت سے ہی ممکن ہوا کیونکہ نو تاریخیت نے ایسے موضوعات ومسائل کو خاصی اہمیت دی کہ جس میں ریاستی طاقت اور آئیڈیالوجی کا نفاذ ایک خاص انداز میں سماج کے اندر سرایت پذیری کرتے ہیں۔ ادبی متون کے ذریعے اس عہد کے لکھاری کے سماجی عقیدوں، ذہنی تعصبات، شکوک کی فضا، نظریات اور خوف کی فضا کا جائزہ لینا آسان ہو گیا کہ کس طرح تہذیبی اور مذہبی رسوم کو فطری قرار دیکر سماج میں لازم وملزوم کر دیا گیا اسی طرح طاقت کے اثرات میں کسی ریاستی عہدیدار یا بادشاہی نظام کی نافذ کردہ پالیسیوں کو جائز قرار دیکر عوام کو وفاداری اور اطاعت کی ذہنیت کا قائل کرنا مقصود ہوتا تھا اور یہ باور کرانا مقصود ہوتا تھا کہ کوئی بھی شخص ان سماجی قوانین سے بالا وبرتر نہ ہے اس طرح فوکو نے بھی آرکیالوجی طریقہ کار سے اس بات کو دلیل

سے ثابت کیا کہ سماج میں طاقت ایک آلہ کار کے طور پر رہی ہے جس کا مقصد ریاستی اداروں کی بدولت مقتدر طبقہ کے لیے خاص مقاصد کا حصول ہے یوں سماج میں ذہنی اوراخلاقی حوالوں سے تبدیلی کا کام کبھی تحریروں کی صورت میں کیا جاتا رہا ہے تو کبھی مذہب، عقیدت اور رسم ورواج اور مقتدر طبقہ کی اطاعت سے وفادار کے ثبوت کے طور پر قائل کرنے کی کوشش سامنے آتی رہی ہے اس طرح "نو تاریخیت" کی بدولت ان ادبی متون سے سماجی اور سیاسی حالتوں کو بے نقاب کرنے میں مدد ملتی رہی ہے۔

> " نو تاریخیت مسلمہ ادبی متون کو ناموس کاری De familiarization سے گزارتی ہے وہ گذشتہ اقداری فیصلوں اور توضیحات کو درست مان کر بنیاد نہیں بناتی بلکہ خود اپنا کوئی دعویٰ قائم کرتی ہے بلکہ اس کی ترجیح ہر متن کے مطالعے پر ہوتی ہے۔"(۸)

شیکسپیئر کے ڈراموں کے حوالے سے نو تاریخیت ایک طرح سے اُس عہد میں عیسائیوں کی مذہبی رسومات پر حملوں، سزاؤں کے نظام، پدری نظام کے فروغ، غلامی کے طریقہ کار، سماجی رسومات، انسانی معاملات میں ریاکاری اور قید خانوں کے تصور کو تجزیاتی حوالے سے پیش کرتی ہے۔ فوکو نے اس عہد کا "نو تاریخیت" کے آئینے میں جب مطالعہ کیا تو اسے "قید خانے کا زمانہ The " age of confinement قرار دیا کیونکہ بجائے اس دور کو مثالی بنا کر پیش کرنے کے انہوں نے "سزاؤں کے نظام کا معاشرہ" یا(Carceral society) یا محبوس سماج قرار دیا تھا کیونکہ لوئی مونٹروس جیسا مفکر بھی متن اوراس خاص تہذیبی ماحول جس میں اس کی تخلیق ہوئی ہو ایک خاص جڑت رکھتے ہیں لہٰذا اس پر غور ضروری ہے اسے انہوں نے اپنے ایک مضمون The Poetics and politics of culture میں بیان کیا ہے مصنف کے ذہن سے سرایت کرتی ہوئی یہ اثر پذیری ایک طاقت کے طور پر اس تحریک پر اثرانداز ہوتی ہے جو ادبی متون میں خاندانی روایات سے لیکر مذہب اور ریاست کے رویوں کو شامل کرتی ہے کیونکہ ایسی روایات یا رسومات میں طاقت انہیں غیر مبدل لیبل سے پیش کرتی ہے اس طرح انفرادی طور پر سماج کے عناصر ان طاقتوں کے تابع دکھائی دیتے ہیں۔ یوں بظاہر شخصی خود مختاری اور روشن خیالی کے نام پر کس طرح لوگوں کی زندگیوں پر کنٹرول حاصل کیا جاتا ہے ایک طرف نو تاریخیت ان کے اس منفی عزم کی مخالفت کرتی ہے تو دوسری طرف ان کے چہروں کو بے نقاب کرتی ہے۔

طاقت کس طرح ان دیکھے خوف کے ساتھ سماج میں موجود ہوتی ہے اٹھارویں صدی کے حوالے سے فوکو نے اسے "Panopticon" یعنی گول قید خانے کی تعمیر سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ہر قیدی کو یہ لگتا تھا کہ ٹاور پر موجود سپاہی اس کی نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہے اس طرح ذہنی طور پر ایک ایسے خوف کو جنم دیا گیا جو ٹاور پر کچھ موجود نہ ہونے کے بعد بھی ایک خوف کی فضا کو قائم رکھتا اس طرح طاقت کی اس آئیڈیالوجی کو جنم دیا گیا کہ مقتدر طبقہ کی طرف سے متعارف کردہ قوانین ہوں یا مذہبی عقائد ان کو مکمل نہ کرنے پر کس طرح سزا کا حقدار ٹھہرایا جائے گا اور یہ تمام کسی بھی عہد کی ثقافت کا مطالعہ کر کے دیکھا جاسکتا ہے ۔ یوں فوکو جیری بینتھم کا اس "Panopticon" کے نقشہ سے اس عہد کی سماجی فکر کو اجاگر کرتا ہے اور سرکاری اداروں، قید خانوں، طبی معالجے کے مراکز وغیرہ کو اسی کڑی میں گردانتا ہے لوئی مونٹروس ایسی ادبی متون کو Enduring Text اس لیے قرار دیتا ہے یہ سماجی "جمالیاتی "مذہبی اقدار کے جبر کا نتیجہ بن کر سامنے آتی ہیں اوران کی پاسداری اس سماج میں ایک مسلمہ اصول کے جواز کے طور پر پیش کی گئی ہے تاکہ مزاحمت کے عنصر کو کم کیا جاسکے۔

فوکو نے ہر عہد کے حوالے سے "نو تاریخیت" کے تحت تجزیے کو اس طرح آسان بنایا ہے کہ اسے چار بڑی "Episteme" کے زیر اثر دکھایا ہے تاکہ ان تمام قوانین کو ایک خاص عہد کے حوالے سے فکری، علمی، سائنسی اور سماجی پہلوؤں کے طور پر اثرانداز ہوتے ہوئے دکھایا جاسکے اس طرح ان عصری تفکرات میں کسی خاص عہد کی ارتقائی کڑی کو دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ فوکو نے اپنی کتاب "The order of things" میں گذشتہ پانچ صدیوں کے حوالے سے چار بڑی "Episteme" کا ذکر کیا ہے ۔نشاۃ ثانیہ، کلاسیکی، جدید اور پس جدید تاکہ وضاحت کی جاسکے کہ کس طرح سماجی، سیاسی عقائد انسانی نظریات اور متن پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

نشاۃ ثانیہ کی (Episteme) عصری تفکر کے حوالے سے جس تجزیہ کو فوکو نے اپنی تحریر میں شامل کیا ہے ۔ اس میں انسان اور دوسرے جانداروں کے عدم فرق، سائنس کی عدم دستیابی اور فطرت کے اشاروں سے خدا کی حیثیت کا اقرار ایک طرح سے تعبیر و تفہیم کی دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اور اسی تناظر کو ادبی متون میں دیکھا جاسکتا ہے یوں فوکو نے تجزیاتی مطالعے سے نو تاریخیت، کے طریقہ کار کی بدولت اس عہد کی واضح تصویر کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے علاوہ ازیں کلاسیکی دور میں جس کا آغاز انسان اور دوسرے جانداروں کے فرق سے ہوتا ہے

دولت کا محدود تصور دیکھنے میں آتا ہے۔اٹھارویں صدی کے اختتام پر جدید عصری تفکر کی جھلک فوکو کی تحریروں میں عیاں ہے اس طرح 'نو تاریخیت' کے تصور کو عملی طور پر استعمال کرتے ہوئے فوکو بجلی، حرارت، مقناطیسیت، اور علم بصارت کی حدود سے باہر ایسی قوتوں کو دیکھتا ہے کہ جس میں انسان ایک طرف ان کا ایجاد کردہ ہے تو دوسری طرف ان قوتوں کے مدمقابل بھی سائنسی تصورات کی ترویج کے علاوہ مارکسی فلسفہ کو نظریاتی اور عقائدانہ درجہ بندی میں دیکھا جاسکتا ہے ایک طرف انسان خود کو زبان سے لیکر معاشی وسماجی نظام میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور کئی طرح سے اس عہد کی قوتیں اثر انداز ہوتی نظر آتی ہیں جبکہ مابعد جدید عصری تفکر میں زندگی سماج اور کائنات کے بارے میں انسانی نظریات کئی طرح سے متشکل ہوتے نظر آتے ہیں یوں فوکو کی تحریروں سے لیکر تمام مصنفین کی تحریریں ایک خاص عہد کے عصری تفکر کے تابع دکھائی دیتی ہیں۔

> "فوکو کی آرکیالوجی 'اگر تجرید ہے تو جنسیالوجی ، کارخ مادیت اور تاریخ کی طرف ہے جنسیالوجی کے تحت وہ اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ایک "Episteme" میں جتنے ڈسکورس ہوتے ہیں ان میں طاقت کارفرما ہوتی ہے اوراس طاقت کازمانی سیاق ہوتا ہے فوکو کی فکر میں ڈسکورس اور طاقت اس حوالے سے اہم ہیں۔"(۹)

نو تاریخیت اس حوالے سے ادبی متون کو تاریخی پس منظر کے حوالے سے چیلنج کرتی ہوئی نظر آتی ہے کیونکہ اس کی ظاہری صورتحال اور تاریخی پس منظر دونوں ایک دوسرے کی حیثیت کو چیلنج کرسکتے ہیں۔ایک طرف 'نو تاریخیت' کا تصور آزادانہ اور خود مختارانہ تناظر کا قائل ہے تو دوسری طرف سماج میں طاقت کے اثرات کے خلاف دفاعی محافظ قائم کرتے ہوئے طاقت کی اثر پذیری کو دکھاتا ہے۔"نو تاریخیت" نے جس طرح فکری کنٹرول پر زور دیا ہے اس میں گرامچی (Antonio Gramsci) کے تصور Hegamory اور فوکو کے تصور Discursive practices کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ طاقت کے سروکار سے کسی بھی بیرونی عنصر کی مداخلت کو کم کیا گیا ہے لیکن 'نو تاریخیت' کے تصور سے ان مفکرین کے ہاں یہ نظریات ایک طرح سے طاقت کے مرکز کو بے نقاب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ تاریخ کو خود ساختہ نظام میں لپیٹ کر جس طرح پیش کیا گیا ہے گویا اسے متاثر کرنے کے مترادف ہے۔

اس تصور کے ناقدین کے ہاں ادبی اور غیر ادبی متون متوازی دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کا مطالعہ اور تجزیہ ایک دوسرے کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ مطالعہ میں اسے فلسفیانہ فکر کی بجائے سماجی اثرات کے زیر مشاہدہ دیکھا جاتا ہے ۔ 'نو تاریخیت ' کے تصور نے ریاستی طاقت ،نو آبادیاتی پس منظر ،پدر سری سماج ،غلبہ کی خواہش کے حامل مقتدر طبقہ ، صنف کی برتری جیسے موضوعات کو ایک طرح سے حقیقی آئینے میں دکھایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال آفاقی،ڈاکٹر ،مابعد جدیدیت، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۶، ص:۸۸

۲۔ اقبال آفاقی ،ڈاکٹر ،مابعد جدیدیت ، (فلسفہ تاریخ کے تناظر میں)،مثال پبلشرز ،فیصل آباد ، ۲۰۱۳، ص:۱۹۵

۳۔ گوپی چند نارنگ ، ڈاکٹر ، ترقی پسندی ، جدیدیت ، مابعد جدیدیت ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ، ۲۰۰۶، ص:۶۲۴

۴۔ ایضاً، ص:۶۳۱

۵۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر ، جدیدیت کے بعد ، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۶، ص:۱۲۳

۶۔ پروفیسر عتیق اللہ ، تنقید کی جمالیات ، جدیدیت ،مابعد جدیدیت جلد: ۵،بک ٹاک ،لاہور ، ص:۴۱۴

۷۔ ایضاً، ص:۴۱۴

۸۔ ایضاً، ص:۴۱۸

۹۔ ناصر عباس نیئر ، ڈاکٹر ، مابعد جدیدیت (نظری مباحث) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ،۲۰۱۸، ص:۱۶۹